اپنی مدافعت کرسکیں۔ اور اسلام کا مسخ یہی ہے کہ اس کے اصولوں کا غلط تصور قائم کر لیا گیا ہے اور اس کے چند احکام کا ادھورا انفاذ کر کے بعض نام نہاد مسلمان اہلِ ایمان کے گروہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اسلام پسند مصلحین اور بیدار مجددین کے زمرہ سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

موجودہ بگاڑ کی اہمیت اور دعوتِ جہاد | ماضی میں تو مسلمان پیش آمدہ خطرات کو فوراً بھانپ جاتے تھے اور یکسُو ہو کر ان کا سدِ باب کر دیتے تھے۔ لیکن اب شیطان نے تلبیس کی ایسی چال چلی ہوئی ہے کہ وہ چیزوں کو غلط لیبل لگا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور شیطان کا ایجنٹ انارکسٹ گروہ مسلمانوں کے اندر اپنے مکر وفن کے جال پھیلائے ہوئے ہے۔ ان کے اخلاق کو بگاڑ رہا ہے اور ان کی ہمتوں کو پست کر رہا ہے۔ چنانچہ اب مسلمانوں کی اکثریت بندگیٔ نفس میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اور وہ کسی ایسی چیز کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جو اس کی ہوس کی تائید نہ کرتی ہو۔ اسی کمزور پہلو نے انہیں گرفتارِ معصیت کر رکھا ہے۔ ورنہ اگر یہ حوصلوں کے مضبوط ہوتے تو شیطان کے جال اور ملحدین کے پروپگنڈے کا شکار نہ ہو جاتے۔ حالات اب نزاکت اختیار کر چکے ہیں۔ ان کو سنبھالنے کے لیے مؤثر اقدام کرنا چاہیے۔ دینی رہنماؤں اور داعیوں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو سر پر منڈلانے والے خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے اپنی فوج کو منظم کریں اور لاگ لپیٹ رکھے بغیر لوگوں پر واضح کر دیں کہ جس روش پر اب وہ چل رہے ہیں وہ اسلام سے ہٹی ہوئی ہے اور اگر وہ فی الواقع دین کی رسّی کو تھامنے کا پختہ عزم رکھتے ہیں تو اپنے سلف صالحین کی زندگیوں کی جانب رجوع کریں اور اپنی خواہشاتِ نفس کو تج کر از سرِ نو امانتِ اسلام کا بار اٹھانے کی تیاری کریں، اس راہ میں ان تمام چیزوں سے دستبردار ہونا پڑے گا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور اسلام کی شوکتِ رفتہ کو زندہ کرنے اور اللہ کا بول بالا کرنے کی نیت سے انہیں مال و جان کی بازی لگا دینا ہوگی ——— اور اُس دن انہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے وطن کی آزادی اور اپنی قوم کی نجات پر فخر کرسکیں۔ ویومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ۔

مولانا مودودی کا سفرِ بلادِ اسلامی

عمان۔ بیت المقدس۔ قاہرہ اور دوسرے مقامات کی سیاحت

پچھلا خط ہم نے عمان پہنچ کر لکھا تھا اور صرف ابتدائی ایک دو دنوں کا حال لکھ کر ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب باقی مختصر رودادِ سفر مختصر طور پر لکھی جا رہی ہے۔ ممکن ہے یہ خط پہنچنے کے ساتھ ہی ہم لوگ بھی پہنچ جائیں، کیونکہ اب ہماری واپسی کا وقت قریب ہے۔ لیکن اس سلسلہ کو مکمل کرنے کے لیے یہ خط مصر سے واپسی پر دمشق سے بھیجا جا رہا ہے تاکہ آپ لوگوں کو سفر کا پورا حال معلوم ہو جائے۔

عمان ہم یکم جنوری کو پہنچے تھے اور تین دن وہاں ٹھہر کر ۴ جنوری کو قدس کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان تین دنوں میں شاہ حسین سے ملاقات ہوئی (جس کا ذکر پچھلے خط میں کر چکا ہوں)۔ قاضی القضاۃ اور بہت سے دوسرے علماء اور ادباء حضرات مولانا سے ملنے کے لیے آتے رہے۔ استاذ عبدالرحمٰن خلیفہ نے عمان میں اور ایک دوسرے صاحب نے زرقاء میں مولانا کے اعزاز میں دعوتیں کیں، جس میں عمان کے بہت سے نمایاں نمایاں حضرات شریک تھے۔

اس کے علاوہ کثیر تعداد میں نوجوان آتے رہے اور مختلف مسائل میں سوالات کرتے رہے۔ بعض لوگ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ سے اطلاع پا کر اردن کے دوسرے مقامات سے بھی آکر ملاقات کرتے رہتے۔ صبح سے لیکر رات کے دس گیارہ بجے تک لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

قدس کی طرف ۴ جنوری کو ہم قدس کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں السّلط کے مقام پر دو ڈھائی سو کے ایک مجمع نے ہمیں روک لیا اور بے حد محبت و اخلاص اور عقیدت کے ساتھ استقبال کیا۔ موٹر سے اتار کر ایک جلوس کی سی شکل میں شہر کے اندر لے گئے اور ایک ہال میں انہوں نے جلسے کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ ان لوگوں کا اصرار تھا کہ ہم ایک پورا دن وہاں ٹھہریں۔ بڑی مشکل سے وہ ہماری معذرت قبول کرنے پر تیار ہوئے

انہوں نے مولانا سے نصیحت کی درخواست کی۔ مولانا نے چند جملوں میں نوجوانوں کو تقویٰ اور اسلام پر قائم رہنے کی نصیحت کی، جس کو پورے مجمع نے بہت ہی اہتمام اور غور سے سنا۔

السّلط سے آگے بڑھنے کے بعد ہم وادیٔ شعیبؑ سے گزرے، جو ایک سرسبز وادی ہے اور چشموں کا پانی اس میں نہر کی طرح بہتا ہے۔ اسی وادی میں ایک اونچے مقام پر حضرت شعیب علیہ السلام کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت شعیبؑ واقعی وہاں مدفون ہیں، لیکن اس علاقہ میں عام روایت قدیم زمانہ سے یہ چلی آرہی ہے کہ قوم شعیبؑ پر عذاب آنے کے بعد حضرت شعیبؑ یہیں تشریف لے آئے تھے۔ یہ چیز کچھ زیادہ بعید از قیاس بھی نہیں ہے، کیونکہ مدین کا علاقہ موجودہ اردن سے بالکل متصل واقع تھا، بلکہ ارضِ مدین کا شمالی حصّہ تو اس وقت اردن کی مملکت میں شامل ہے۔ خود عقبہ بھی ارضِ مدین ہی کا ایک اہم مرکزی مقام تھا۔ ہم نے مقامِ سیدنا شعیبؑ کا فوٹو لے لیا اور آگے روانہ ہوگئے۔

اخوان المسلمون کا مدرسہ دریائے اردن پار کرنے کے بعد اریحا میں وہ مدرسہ دیکھنے گئے جو اخوان المسلمون نے فلسطین کے شہداء کے بچّوں کی تعلیم و تربیت کے لیے قائم کیا ہے۔ یہ مدرسہ اخوان کے اہم تعمیری کاموں میں شمار کرنے کے لائق ہے۔ اس میں بچّوں کو نہ صرف عمدہ اسلامی تعلیم دی جارہی ہے بلکہ مجاہدوں کی حیثیت سے انہیں تربیت بھی دی جارہی ہے۔ اس کے بعد ہم بحیرۂ لوط کے کنارے ایک کیمپ دیکھنے گئے، جہاں ۴۰، ۵۰ نوجوان اردن اور فلسطین کے مختلف حصّوں سے آئے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ وقتاً فوقتاً تین چار دن کے لیے کسی جگہ تربیتی کیمپ لگایا کرتے ہیں، جس میں عبادت اور جہاد کی تربیت ایک توازن کے ساتھ دی جاتی ہے۔ اور چند روز بالکل سپاہیانہ زندگی بسر کرکے یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوجاتے ہیں۔ اس طرح کے کیمپوں میں مملکت اردن کے ہر حصّہ سے نوجوان آکر شریک ہوتے رہتے ہیں۔ اس کیمپ میں ان لوگوں نے بڑی محبت اور گرمجوشی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ ظہر کی نماز ہم نے ان کے ساتھ پڑھی، اور نماز کے بعد مولانا نے چند کلماتِ نصیحت ان سے کہے اور اس کے بعد ہم قدس کے لیے روانہ ہوگئے۔

القدس میں القدس ہم تین بجے کے قریب پہنچے۔ معلوم ہوا کہ ۴ بجے مولانا کے اعزاز میں ایک عصرانہ فندق الزہراء میں دیا جانے والا ہے۔ اس عصرانہ کا سلسلہ ۴ بجے شروع ہوا اور ۶ بجے تک جاری رہا۔ اس

میں قدس کے کمشنر، رئیس البلدیہ، قاضی، علماء، فوجی کمانڈر اور حکومت کے تمام ذمہ دار حضرات شریک تھے۔ قدس کے علاوہ الخلیل، نابلس اور دوسرے قریبی مقامات سے بھی لوگ خاص طور پر اس عصرانہ میں شریک ہونے کے لیے آئے تھے۔ سب سے پہلے استاذ کامل الشریف نے مولانا کا خیر مقدم کیا اور پھر مولانا نے مختصر الفاظ میں اس کا جواب دیتے ہوئے فلسطین اور عربوں کے دوسرے مسائل کے متعلق پاکستانی قوم کے جذبات اور ہمدردی کا اظہار کیا، جس کا تمام سامعین پر بہت اچھا اثر رہا۔

ایک رات القدس میں ٹھہرنے کے بعد ہم لوگ ۵ جنوری کو بیت لحم اور الخلیل دیکھنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ بیتِ لحم القدس کے جنوب میں چند میل کے فاصلہ پر ایک اہم تاریخی مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اب اس مقام پر جہاں ان کی ولادت ہوئی تھی ایک بہت عظیم الشان کنیسہ بنا ہُوا ہے، جسے کنیستہ المہد کہتے ہیں اور عیسائی دنیا کے ہر حصہ سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے ہیں۔ ہم نے اس کنیسہ میں جاکر اس غار کو دیکھا، جس کے اندر حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی تھی۔ اس غار سے بالکل متصل ایک کونے میں ایک پتھر نصب ہے جس میں ایک گول سوراخ ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ اسی جگہ وہ کھجور کا درخت تھا جس کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے کہ فرشتہ نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ اس کھجور کے تنے کو ہلاؤ تو تم پر پکی کھجوریں گریں گی۔ ہمیں حیرت تھی کہ اس سرد علاقہ میں کھجور کیسے ہو سکتی ہے، لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ یہاں کہیں کہیں کھجوروں کے درخت موجود ہیں اور الخلیل میں عملاً کھجوروں کے درخت دیکھ کر ہمیں اطمینان ہو گیا۔ اس کنیسہ میں عیسائیوں نے شرک کو اس کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے۔ حد یہ ہے کہ جس جگہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بتائی جاتی ہے، وہاں حضرت عیسیٰ کا ایک بچہ کی شکل میں بت بنا رکھا ہے اور اس کے قریب ایک پنگورہ بنا کر ایک ننھے کا بُت اس میں رکھ چھوڑا ہے۔ ہمارے ساتھ جو عیسائی گائڈ یہ مقام دکھانے گیا تھا، اس نے ہمارے سامنے ان بتوں کو سجدہ کیا۔ اس کنیسہ میں عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے حصے الگ الگ ہیں۔ اور پروٹسٹنٹ فرقے کو بالکل اچھوت بنا کر کنیسہ کے باہر صرف ایک صحن دے دیا گیا ہے جس کے اندر وہ سال میں صرف ایک مرتبہ عبادت کر سکتے ہیں۔

بیت لحم کی زیارت سے فارغ ہونے کے بعد ہم الخلیل پہنچے۔ اس شہر کا قدیم نام حبرون تھا اور چار ہزار

سال پہلے جب حضرت ابراہیمؑ یہاں آئے تھے، تو اس وقت بھی یہ شہر آباد تھا۔ یہ دنیا کے ان چند قدیم ترین شہروں میں سے ہے جو ہزاروں برس سے آباد چلے آ رہے ہیں۔ وہاں ہم نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم کے مقابر کی زیارت کی۔ انبیاء علیہم السلام کی جو قبریں بالکل ثابت ہیں اُن میں سے ایک یہ مقبرہ ہے۔ اصل قبریں ایک غار کے اندر ہیں، جس کے اندر جانے کا راستہ بند ہے۔ غار کے اوپر ایک بہت عالیشان عمارت بنی ہوئی ہے، جس کے ایک حصہ میں مسجد ٹھیک غار کے اوپر واقع ہے۔ اس غار میں حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کی قبر تو بالکل ثابت ہے۔ باقی رہے حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام تو ان کی قبروں کے متعلق پورے اطمینان کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بھی صحیح ہیں۔ ہم نے یہاں ظہر کی نماز ادا کی اور اس کے بعد کھانا کھا کر سیّدنا لوط علیہ السلام کا مقام دیکھنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ مقام الخلیل سے جنوب مشرق میں بحیرۂ لوط کے قریب واقع ہے۔ یہاں ایک پہاڑی پر حضرت لوطؑ کی قبر ہے اور اس پر مسجد بنی ہوئی ہے۔ اب اس مقام کو بنی نُعَیم کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ کے لوگوں میں یہ روایت قدیم ترین سے چلی آ رہی ہے کہ قومِ لوطؑ کی تباہی کے بعد حضرت ممدوح یہیں چلے آئے تھے۔ یہ چیز بالکل قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ پہاڑی پر سے بحیرۂ لوط بالکل سامنے نظر آتا ہے اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب حضرت لوطؑ اس علاقے سے نکلے ہوں گے، تو انہوں نے اسی طرف کا رُخ کیا ہو گا، کیونکہ ان کے چچا حضرت ابراہیمؑ اس کے قریب ہی الخلیل میں رہتے تھے۔

بی۔بی۔سی کے لیے انٹرویو الخلیل سے مغرب کے بعد ہم القدس واپس پہنچے۔ اسی رات بی۔بی۔سی کا نمائندہ ہمارے ہوٹل میں آیا اور اس نے مولانا سے عربی زبان میں ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو بی۔بی۔سی نے لندن سے اپنے عربی پروگرام میں ایک ہفتہ بعد نشر کیا (یہ انٹرویو اس رُوداد کے آخر میں درج کیا جا رہا ہے)۔

بیت المقدس کے آثار دوسرے روز پورا دن ہم نے بیت المقدس کے آثار دیکھنے میں گزارا۔ سب سے پہلے آغاز مسجدِ صخرہ اور مسجدِ اقصیٰ کے تفصیلی مطالعہ سے کیا گیا۔ اس میں القدس کے مدیر الاوقاف نے ہماری بڑی مدد کی اور ایک انجینئر کو جو آج کل مسجدِ صخرہ کی مرمت کے انچارج ہیں، ہمارے ساتھ کر دیا، جنہوں نے پوری

تفصیل کے ساتھ ہمیں مسجد صخرہ دکھائی پھر مسجد اقصیٰ ہم نے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ گائڈ کی مدد سے دیکھی۔ اس کے بعد ہم وہ مقام دیکھنے کے لیے گئے، جہاں حضرت عیسیٰ پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اس جگہ عیسائیوں نے ایک عظیم الشان کنیسہ بنا رکھا ہے۔ اس کنیسہ کے اندر وہ حصہ جہاں پونتس پیلاطس کی عدالت تھی، اب ایک تہ خانہ کی شکل میں واقع ہے اور اس کے پتھر وہی چلے آرہے ہیں جو رومن عہد میں تھے۔ اس جگہ کو دیکھنے کے بعد ہم اس رستہ پر چلے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عدالت سے سزائے موت کا حکم پانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب اپنے کندھے پر رکھ کر اُس مقام کی طرف گئے تھے جو صلیب دینے کے لیے مقرر تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس راستہ میں بارہ مقامات پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھک کر دم لینے کے لیے ٹھہرے تھے۔ ان تمام مقامات پر عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے کنیسہ بنا رکھے ہیں۔ اس راستہ سے چلتے ہوئے ہم کنیسۃ القیامہ گئے، جہاں عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ کو صلیب دی گئی اور دفن کیا گیا، اور ہمارے عقیدہ کے مطابق جہاں شُبِّہَ لَھُمْ کا واقعہ پیش آیا، حضرت عیسیٰ بچا لیے گئے اور کسی اور شخص کو ان کے شبہ میں سُولی دے دی گئی۔ یہ ایک بہت ہی عالیشان کنیسہ بنا ہوا ہے، جسے عیسائی دنیا کے قبلہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کنیسہ میں بھی عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے مختلف حصّے ہیں، جن میں وہ الگ الگ عبادت کرتے ہیں۔ اس سے بالکل متصل وہ مسجد واقع ہے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے موقع پر نماز پڑھی تھی۔ آج تک عیسائی اس بات کے معترف ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فتح کے بعد اس کنیسہ میں تشریف لائے تھے اور نماز کا وقت ہو گیا تھا، تو پادریوں نے ان سے کہا تھا کہ آپ یہیں نماز پڑھ لیں، مگر انھوں نے یہ کہہ کر نماز وہاں پڑھنے سے انکار کر دیا کہ اگر میں یہاں ایک مرتبہ نماز پڑھ لوں گا تو ممکن ہے کسی وقت مسلمان اس کنیسہ کو مسجد بنانے کی کوشش کریں، اس لیے آپ نے کنیسہ سے باہر نکل کر اس مقام پر نماز ادا فرمائی، جہاں اب مسجد عمر بنی ہوئی ہے۔ اس احسان کا بدلہ جیسا کچھ صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں عیسائیوں نے ادا کیا اور اب فلسطین میں امریکہ اور انگریزوں کی طرف سے ادا کیا جا رہا ہے وہ سب کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس کنیسہ کے سلسلے میں ایک بات یہ قابلِ ذکر ہے کہ اس کے دروازے کی کنجی قدیم زمانہ سے آج تک ایک مسلمان خاندان کی تحویل میں چلی آرہی ہے، کیونکہ

عیسائیوں کے مختلف فرقے آپس میں اس بات پر اتفاق نہیں کر سکے کہ اس کنیسہ کی کلید برداری کا شرف ان میں سے کس فرقہ کو حاصل ہو۔ آخر کار انہوں نے از خود اس بات پر اتفاق کیا کہ ایک مسلمان اس کا کلید بردار ہو۔ یہ کلید برداری کا منصب ایک ہی خاندان میں وراثتاً چلا آ رہا ہے اور پورے انصاف کے ساتھ یہ خاندان تمام فرقوں کے لیے کنیسہ کا دروازہ کھولتا اور بند کرتا ہے اور اس پر گواہی لیتا ہے کہ کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوئی ہے۔

فلسطین کا میوزیم بیت المقدس وہ شہر ہے جس کی ایک ایک اینٹ اپنی تاریخ رکھتی ہے۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم اس کے سارے آثار دیکھ سکتے۔ ہمارا پورا دن صرف انہی آثار کو دیکھنے میں صرف ہو گیا، جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔

۷ جنوری کا آدھا دن ہم نے متحف فلسطین (یعنی فلسطین کا میوزیم) دیکھنے میں صرف کیا، جس میں اس سرزمین کی قدیم ترین تاریخ سے لیکر آج تک کے آثار جمع کیے گئے ہیں۔ اسی کے ایک حصہ میں وہ قدیم نوشتے جمع ہیں، جو ۱۹۴۷ء میں بحیرہ لوط کے قریب خربت قمران کے مقام پر دریافت ہوئے تھے۔ یہ نوشتے پہلی صدی قبل مسیح اور اس کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں اور عیسائی دنیا میں ان کے دریافت ہونے کے بعد سے ایک ہلچل برپا ہے۔ ماہرین کی ایک پوری کی پوری ٹیم ان کا مطالعہ کرنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے میں لگی ہوئی ہے اور ساتھ ساتھ عیسائی دنیا کو یہ پریشانی بھی لاحق ہے کہ کہیں ان میں سے وہ مواد فراہم نہ ہو جائے جو موجودہ عیسائیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔

اسی روز ہم عمان کے لیے واپس روانہ ہو گئے، اور شام کو وہاں پہنچے۔

عمان میں سرکاری دعوت ہم عمان سے جلدی ہی روانہ ہو جانا چاہتے تھے، لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شاہ حسین نے حکم دیا ہے کہ مولانا کی واپسی پر مولانا کے اعزاز میں پارٹی دینے کا اہتمام کیا جائے۔ اس لیے ہمیں ایک دن مزید وہاں ٹھہرنا پڑا۔

۹ جنوری کو نادی الملک حسین (ملک حسین کلب) میں حکومت کی طرف سے قاضی القضاۃ نے (جو آج کل وزیر تعلیم بھی ہیں) ہمیں پارٹی دی، جس میں اردن کے بہت سے عمائدین شریک تھے۔ کافی دیر تک مختلف

موضوعات پر دلچسپ گفتگو ہوتی رہی اور پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق بہت مفصل معلومات مولانا نے شرکائے مجلس کو دیں۔

اصحابِ کہف کا غار اگلے روز ہم نے صبح کو وہ مقام بھی جا کر دیکھا، جس کے متعلق مقامی روایات یہ ہیں کہ اصحابِ کہف کا قصہ یہیں پیش آیا تھا۔ یہ مقام عمان سے جنوب مشرق میں ۱۲ کیلو میٹر (۸ میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں ایک غار ہے جس کے اندر اتنی تاریکی ہے کہ باہر سے آدمی جھانکے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ اس غار پر اور اس سے متصل کئی جگہوں پہ قدیم زمانہ کی سنگین عمارتوں کے آثار موجود ہیں، لیکن مقامی روایات کے سوا کوئی چیز کتبہ وغیرہ کی شکل میں وہاں موجود نہیں ہے، جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہی اصحابِ کہف کا مقام ہے۔

اسی روز ہم اِرْبِد کے لیے روانہ ہوئے جو اردن اور شام کی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں ایک بہت بڑے مجمع نے مولانا کا استقبال کیا اور ہمارے وہاں پہنچتے ہی ایک ہائی سکول کی عمارت میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں اِرْبِد کے کمشنر، جج، فوج اور پولیس کے افسر اور دوسرے عمائدِ شہر شریک تھے۔ کمشنر صاحب نے بادشاہ اور حکومت کی طرف سے خیر مقدم کی تقریر کی اور مولانا نے شاہ حسین اور اردنی قوم کا شکریہ ادا کیا اور ان کے مسائل میں پاکستان کی پوری ہمدردی کا ذکر کیا۔

مزاراتِ صحابہؓ دوسرے روز ۱۱ر جنوری کو ہم وہ مقامات دیکھنے گئے، جہاں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ اور حضرت ضرارؓ بن اَزْوَر کے مزارات واقع ہیں۔ ان مزارات کو دیکھنے کے لیے اِرْبِد سے ہم کو تقریباً ۸۰ کیلو میٹر کا سفر القدس کی طرف کرنا پڑا۔ جس سڑک پر ہم گئے یہ پہاڑوں سے گزرتی ہوئی سب سے پہلے حضرت معاذؓ کے مزار تک پہنچتی ہے اور وہاں سے پھر دریائے اردن کے ساتھ ساتھ مشرقی کنارے سے بیت المقدس کو جاتی ہے۔ دریائے اردن کے مغربی کنارے پر اسرائیل کا قبضہ ہے اور مشرقی کنارے پر اس سڑک کے ساتھ ساتھ اردن میں مسلمانوں کے بڑے اہم تاریخی مقامات واقع ہیں۔ یہیں فحل کا تاریخی مقام واقع ہے جہاں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مشہور معرکہ پیش آیا تھا اور اسی سڑک پر کئی کئی میل کے فاصلہ سے مذکورہ بالا صحابہ کرام کے مزارات بنے ہوتے ہیں۔

میدان یرموک ان مقابر کی زیارت سے فارغ ہو کر ہم اِربد واپس ہوئے اور تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر جنگِ یرموک کا مقام دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے جو اِربد سے چند میل کے فاصلہ پر شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ اصل میدان تو شام کی سرحد میں واقع ہے، لیکن اس کا ٹھیک ٹھیک مشاہدہ اردن کی سرحد پر ایک پہاڑی پر سے کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے جس جگہ سے اسے دیکھا، وہاں دریائے یرموک ہمارے اور میدان معرکہ کے درمیان حائل تھا۔ جنگ یرموک کی صحیح کیفیت آدمی سمجھ نہیں سکتا، جب تک وہ اس میدان کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے۔

دمشق — قاہرہ یرموک سے ظہر کے بعد ہم اربد واپس ہوئے اور شہر کے رئیس البلدیہ (میئر) نے کھانے پر ہمیں اور شہر کے بہت سے عمائد کو مدعو کیا۔ عصر کے بعد ہم دمشق کے لیے روانہ ہو گئے اور عشا کے وقت دمشق پہنچ گئے۔ شہر کے باہر ہی استاذ محمد المبارک، استاذ مکی الکتانی اور استاذ محمد محمود الصواف (جو آج کل عراق سے نکل کر یہاں پناہ گزین ہیں) اور دوسرے احباب ہمیں لینے کے لیے تشریف لے آئے تھے۔

شام میں ہم نے احباب کے اصرار پر تین روز قیام کیا۔ اس عرصہ میں مختلف احباب، نوجوان طلبہ اور دوسرے حضرات ملنے کے لیے آتے رہے۔ ۱۵ جنوری کو ہم بذریعہ ہوائی جہاز قاہرہ روانہ ہوئے۔ جس وقت ہمارا جہاز قاہرہ اترا، وہاں ریت کا سخت طوفان آیا ہوا تھا۔ ہوائی اڈہ پر سفارتِ پاکستان کی طرف سے ایک صاحب اور علامہ محمد البشیر الابراہیمی الجزائری مولانا کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

قاہرہ میں قاہرہ سے چونکہ ہمیں طورِ سینا جانا تھا، جو آج کل ایک فوجی علاقہ ہے اور وہاں جانے کے لیے بہت سے رسمی مراحل طے کرنے ضروری تھے، اس لیے ہمیں اس سفر کے انتظامات کے لیے چند روز قاہرہ ٹھہرنا پڑا۔ پہلے دن تو ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ قاہرہ میں ہمیں کوئی نہیں جانتا، لیکن شام ہوتے ہوتے یکایک ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ قاہرہ ہمارے دوستوں سے بھرا ہوا ہے۔ جس جس کو ہمارے آنے کی اطلاع ہوتی گئی، ہمارے ہوٹل کا رُخ کرتا گیا۔ چار روز تک آنے والوں کا وہ تانتا بندھا کہ صبح سے لے کر رات کے بارہ بجے تک دم لینے کی فرصت ملنی مشکل ہو گئی۔ آنے والوں میں علماء، پروفیسر، ادیب، ازہر اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی ایک کثیر تعداد تھی، خصوصیت کے ساتھ نوجوان طلباء کا ایک ہجوم عصر کے

وقت سے ہوٹل پہنچ جاتا تھا اور رات کے ۱۱، ۱۲ بجے تک، جب تک انہیں اٹھ جانے کے لیے صاف صاف کہنا نہ پڑتا وہ نہ جاتے تھے۔ ہمارے کالجوں کے طلبہ کی طرح سوالات کی کوئی قسم ایسی نہ تھی، جو انھوں نے چھوڑ دی ہو۔ اسی قیام کے دوران سفیرِ پاکستان خواجہ شہاب الدین صاحب نے پاکستان ہاؤس میں مولانا کے اعزاز میں چائے کی دعوت کی جس میں بہت سے معززین شریک تھے۔ اسی روز رات کو ایک دعوت علامہ بشیر ابراہیمی نے اپنے مکان پر کی، جس میں مصر اور الجزائر اور مراکش کے بہت سے علماء اور معززین شریک تھے، جن میں مشہور مجاہد اسلام امیر عبدالکریم الریفی کے چھوٹے بھائی امیر محمد عبدالکریم خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

ہم الجزائر کی حکومت کے دفتر بھی جانا چاہتے تھے، لیکن معلوم ہوا کہ آج کل ان کے وزراء میں سے کوئی موجود نہیں ہے، اس لیے ہم وہاں نہ جا سکے، مگر اس حکومت کے ذمہ دار افسروں کو جب معلوم ہوا کہ مولانا قاہرہ میں تشریف رکھتے ہیں تو وہ ان سے ملنے کے لیے خود ہوٹل آئے۔ ان سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ الجزائر کی جنگ چھڑنے سے پہلے مولانا کی عربی کتابیں کافی تعداد میں الجزائر پہنچ چکی تھیں اور وہاں بکثرت لوگ ان سے متاثر تھے۔

قاہرہ کا میوزیم | اس قیام کے دوران میں ہم نے اہرام مصر، ابوالہول اور قاہرہ کے میوزیم کو دیکھا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جب تک آدمی خود ان کو نہ دیکھے وہ انہیں سمجھ نہیں سکتا۔ درحقیقت ان چیزوں کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ قاہرہ کے میوزیم میں خصوصیت کے ساتھ دیکھنے کی چیز پرانے بادشاہوں کی لاشیں ہیں جو تین چار ہزار برس سے آج تک اس طرح چلی آرہی ہیں کہ ان کے چہروں کے نقش اور سروں کے بال اب تک قریب قریب اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہیں۔ ان ہی لاشوں میں ایک اس فرعون کی لاش بھی موجود ہے جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں غرق ہوا تھا۔ اس میوزیم میں ہزاروں برس پہلے کی مصری تہذیب کا پورا نقشہ آدمی کے سامنے آجاتا ہے۔ شاید ہی دنیا میں کسی تہذیب کے آثار اس قدر مُرتّب اور مُنظّم شکل میں محفوظ ہوں۔

دارالعلوم ازہر میں | اسی قیام کے عرصہ میں ہم ازہر بھی گئے اور شیخ اکبر محمد محمود شلتوت اور ڈاکٹر محمد البہی

سے ملاقات کی۔ شیخ پہلے سے مولانا کی کتابیں دیکھے ہوئے تھے، اس لیے وہ غائبانہ ان سے خوب واقف تھے۔ بے حد تپاک اور محبت سے ملے اور اپنے گہرے جذبات کا اظہار فرماتے رہے۔ افسوس ہے کہ آج کل وہ فالج کے مریض ہیں۔ اس مرض کے باوجود ازہر کی مشیخت کے فرائض انجام دے رہے ہیں انہوں نے بڑی محبت سے اپنی کتابیں ہم سب کو عنایت فرمائیں۔

۲۰ جنوری کی شام کو ہم سینا جانے کے لیے قاہرہ سے چل پڑے۔ رات کو سویز میں ٹھہرے اور اگلے روز صبح ۹½ بجے سینا کے لیے روانہ ہو گئے۔ نہر سویز پر ہمیں کئی گھنٹے تک رکنا پڑا، کیونکہ نہر میں سے جہاز گزر رہے تھے۔ ایک بجے ہم نے کشتی کے ذریعے نہر پار کی اور سینا کا اصل سفر شروع کیا۔

وادیٔ سینا میں | سینا آج کل فوجی علاقہ ہے اس لیے اس میں داخل ہونے کے لیے مصلحۃ الحدود (محکمۂ سرحد) سے اجازت لینا ناگزیر تھی، لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ محکمۂ سرحد کی اجازت اس بات سے مشروط تھی کہ ہم پہلے "مطرانیہ دیر سینت کاترین" سے جس کا دفتر قاہرہ میں ہے، اجازت طلب کریں۔ گویا کہ مصر کی حکومت نے جبل موسیٰ (جبلِ طور) اور اس کے گرد تمام آثار کو عملاً عیسائیوں کے حوالے کر دیا ہے، اور ان سے اجازت لیے بغیر کوئی شخص وہاں نہیں جا سکتا۔ بعد میں جا کر ہمارے اس شبہ کی تصدیق ہو گئی اور دیر میں پہنچ کر ہمیں محسوس ہوا کہ مسلمان حضرت موسیٰ کے آثار سے بالکل دست بردار ہو گئے ہیں اور انہیں عیسائیوں کے حوالے کر دیا ہے

سویز سے ۲۲ کیلومیٹر کے فاصلہ پر عیون موسیٰ کے نام سے ایک جگہ واقع ہے۔ یہ جگہ آج تک عیونِ موسیٰ کے نام سے مشہور چلی آ رہی ہے کہ جب حضرت موسیٰ مصر سے نکلے تھے تو یہ ان کی پہلی قیام گاہ تھی۔ یہاں بہت سے چشمے موجود ہیں اس لیے یہاں خوب شادابی و سرسبزی تھی۔ بعض لوگ بارہ چشمے بتاتے ہیں، لیکن اس وقت صرف سات چشموں سے پانی نکلتا ہے۔

عیون موسیٰ سے کچھ آگے ہم نے ایک جگہ دیکھی جہاں الجندی المجہول (UNKWDWN SOLDIER) کی یادگار لگی ہوئی ہے۔ معلوم ہوا کہ ۵۶ء کی جنگ میں یہودی اس مقام تک پہنچ چکے تھے۔

اس کے بعد ایک مقام آتا ہے جسے حمام فرعون کہا جاتا ہے۔ یہ راستہ سے ذرا ہٹ کر سمندر کے

کنارے واقع ہے۔ پھر وادی غرندل آتی ہے جس کا نام تورات میں ایلیم آیا ہے۔ اس وادی میں بھی چشمے ہیں
پھر ابو زنیمہ کا بندرگاہ آتا ہے، جو سویز سے ۶۴ کیلو میٹر پر واقع ہے۔ راستہ میں جگہ جگہ ہم کو ٹھنڈے
کے چشمے ملے اور ابوزنیمہ کے قریب پٹرول کمپنی کا دفتر ملا۔ ابوزنیمہ کے قریب مینگنیز کی کانیں ہیں اور ایک
کارخانہ بھی۔ اس علاقہ میں قدیم زمانہ میں فراعنۂ مصر فیروزہ نکلوایا کرتے تھے اور اب تک فیروزہ وہاں پایا
جاتا ہے اور بدوی تقریب قریب تین ہزار گنی سالانہ کا فیروزہ یہاں سے حاصل کر لیتے ہیں

ابوزنیمہ سے چند میل آگے تک سارا راستہ سمندر کے کنارے کنارے ہے۔ بائیں طرف کبھی دشت اور
کبھی پہاڑ ملتے جاتے ہیں۔ راستہ میں کہیں کہیں بہت اعلیٰ درجہ کی پختہ سڑک ہے اور کہیں کچی سڑک۔ معلوم ہوتا
تھا کہ یہاں پہلے پختہ سڑک تھی جو بعد میں ٹوٹ گئی۔

نخلستانِ فاران ابوزنیمہ سے تقریباً ۲۰ کیلو میٹر آگے جا کر مینا طور کا راستہ الگ ہو جاتا ہے اور دیر
سانت کاترین کے لیے وادی فاران کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہاں سڑک کا نام و نشان نہیں۔ کبھی حجاز
کے راستوں کی طرح ایک ندی کے اندر اندر چلنا پڑتا ہے، جس میں صرف پہلے سے چلی ہوئی موٹروں کے
نشانات آدمی کی رہنمائی کرتے ہیں۔ دوراہے سے ۵۲ کیلو میٹر کے بعد ہم نخلستانِ فاران پہنچے، جو
بہت ہی سرسبز وادی ہے۔ یہاں کثرت سے پانی ہے اور باغات ہیں۔ یہاں کھجور، انگور، انجیر اور زیتون
کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس نخلستان کا طول ۳ میل ہے۔ تورات میں اس کا نام رفیدیم
آیا ہے۔ یہاں عیسائیوں کا ایک دیر ہے جس کا تعلق دیر سینٹ کاترین سے ہے جو مسافر دیر سینٹ
کاترین جاتے ہیں، ان کا یہاں استقبال کیا جاتا ہے۔ ایک قسیس یہاں مستقل طور پر رہتا ہے ہم تقریباً
پونے سات بجے یہاں پہنچے تھے۔ جس قسیس سے ہماری ملاقات ہوئی، وہ یونانی جزیرہ خیوس (CHEOS)
کا رہنے والا تھا، لیکن مصر میں پیدا ہوا تھا۔ اس لیے عربی بولتا تھا اور انگریزی بھی جانتا تھا۔ اس نے قہوہ
ہماری تواضع کی۔

دیر سینٹ کاترین فاران کے نخلستان سے دیر سینٹ کاترین ۶۷ کیلو میٹر ہے۔ رات کو پونے نو بجے ہم
دیر سینٹ کاترین پہنچے۔ یہ دیر ایک بہت بڑی خانقاہ ہے، جس کا وہ حصہ جہاں بزرگ بش (وہ جھاڑی

جس میں آگ لگی ہوئی حضرت موسیٰ کو نظر آئی تھی، کی یادگار ہے۔ قسطنطین کے زمانہ کا بنا ہوا ہے یہاں اب بھی کوئی شخص جوتے اتارے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ باقی وسیع خانقاہ جسٹینیان نے بنائی تھی۔ اس کے باہر بہت اونچی سنگین فصیل بنی ہوئی ہے۔ موجودہ دیر اگرچہ اپنی قدیم بنیادوں پر بنا ہوا ہے، لیکن وقتاً فوقتاً اس میں کافی اصلاحات و ترمیمات ہوتی رہیں۔ دیر کا اپنا پاور ہاؤس ہے، جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ کمرے اور برآمدے بہت شاندار بنے ہوئے ہیں۔ سیاحوں کے ٹھہرنے کے لیے بہت نفیس انتظام ہے۔ سیاحوں کو کھانا پکا کر دینے کے لیے ملازم موجود ہیں۔ باورچی خانہ، کھانے کا کمرہ اور تمام ضروریات فراہم کی گئی ہیں۔ کھانے کا سامان چونکہ یہاں مشکل سے ملتا ہے اس لیے سیاحوں کو اپنے ساتھ کھانے کی چیزیں لانا پڑتی ہیں اور یہاں کے ملازم پکا دیتے ہیں۔ ایک پبلک ریلیشنز آفیسر بھی دیر کی طرف سے مقرر ہے، جو سیاحوں کا استقبال کرتا اور آثار کی زیارت میں ان کی ہر طرح کی مدد کرتا ہے۔ رات کے وقت ہم نے پہنچ کر کھانا پکوایا اور کھا کر سو رہے۔

روشن جھاڑی | صبح (۲۲ جنوری) دیر کے پبلک ریلیشنز آفیسر نیکو فورس نے ہمیں دیر کا مشاہدہ کرایا۔ اس دیر میں ایک شاندار کنیسہ بنا ہوا ہے، جس میں بیزنطی عہد کی تصویریں آج تک ایسی حالت میں موجود ہیں کہ آدمی کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید ابھی حال کی بنی ہوئی ہیں۔ اس طرح سے فرنیچر اور دروازوں کے بعض حصے ایسے ہیں جو جسٹینیان کے عہد سے اب تک قائم ہیں۔ کنیسہ کی پشت پر وہ مقام واقع ہے جہاں حضرت موسیٰ کو جھاڑی میں آگ لگی ہوئی نظر آئی تھی۔ قسطنطین نے یہاں ایک یادگار بنا دی تھی اور خاص اس مقام کو جہاں جھاڑی میں آگ لگی معلوم ہوئی تھی، نمایاں کر کے ایک چھوٹے سے مقصورہ کی شکل میں بنا دیا تھا۔ اس مقام کی پشت پر چند فٹ کے فاصلے پر باہر صحن میں وہ درخت ہمیں بتایا گیا جس پر سے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔ اس درخت کے متعلق پادری نیکو فورس نے ہمیں بتایا کہ صدیوں سے یہ اپنی ابتدائی جڑوں پر بار بار اُگتا رہا ہے، پرانا ہو کر مر جاتا ہے اور پھر نئے سرے سے انہی جڑوں سے تازہ ہو کر تنا اور شاخیں نکال لیتا ہے۔ یہاں کنیسہ سے متصل سلطان سلیم نے ایک مسجد بنا دی ہے جو اہل دیر ہی کے انتظام میں ہے۔ باوجودیکہ یہ علاقہ ایک مسلمان حکومت کے پاس ہے، لیکن اس مسجد کے لیے کوئی امام و مؤذن وغیرہ کا انتظام نہیں ہے، اور نہ یہاں نماز باجماعت کا کوئی اہتمام کیا گیا ہے، حالانکہ دیر کے ملازمین میں اچھی خاصی تعداد مسلمانوں

کی موجود ہے۔

دیر کے اندر ایک قدیم ڈائننگ ہال ہے، جو راہبوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس میں ایک میز جسٹینیان کے زمانہ کی اور ایک صلیب بھی زمانہ کی موجود ہے۔ اس کمرے کے اندر صلیبی عہد کے بادشاہوں نے اپنی تصاویر بنوائی تھیں، جو آج تک اپنے اصلی رنگوں کے ساتھ چلی آرہی ہیں۔

لائبریری اور میوزیم یہ دَیر گریک آرتھوڈاکس فرقے کے ہاتھ میں ہے۔ اس دَیر کے اندر ایک بہت بڑی لائبریری اور ایک چھوٹا سا میوزیم ہے۔ میوزیم میں جسٹینیان کے عہد سے لے کر آج تک تمام آرک بشپوں کے تاج اور عصا اور ان کی صلیبیں اور پیٹیاں موجود ہیں اور اس کے علاوہ بکثرت تصاویر بیزنطی عہد کی پائی جاتی ہیں، جن کے رنگ اور شان میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔ لائبریری میں جدید اور قدیم کتابوں کا بڑا ذخیرہ ہے۔ اور یونانی، عبرانی، سریانی، قبطی، حبشی، فارسی اور روسی زبانوں کی بہت سی قلمی کتابیں ہیں۔ جو کہیں اور موجود نہیں ہیں۔ یہاں تورات کا ایک نسخہ بھی تھا، جو چوتھی صدی عیسوی کا تھا اور جس کا نام CODEXSINAITICUS تھا، مگر ایک روسی پروفیسر اس کو اڑالے گیا اور زار روس کے پاس بیچ دیا۔ زار نے اس کا فوٹوگرافی کا نسخہ یہاں بھیج دیا اور اصل نسخہ اپنے پاس رکھ لیا۔

انسانوں کی کھوپریاں دیر سے متصل ایک چھوٹا سا باغ ہے اور اس کے اندر دیر کا مقبرہ ہے۔ اس مقبرہ میں جب ہم داخل ہوئے، تو یکایک یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ انسانوں کی بے شمار کھوپریاں اور انسانی جسم کی بے شمار ہڈیاں نہایت قرینہ سے سجی رکھی تھیں۔ پادری نیکوفورس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چھٹی صدی عیسوی سے جب کہ یہ دَیر بنا تھا، آج تک اس دیر کے جتنے آرک بشپ اور راہب مرے ہیں، یہ سب ہڈیاں اور کھوپریاں ان کی ہیں۔ آرک بشپوں کی ہڈیاں اور کھوپریاں الگ اور عام راہبوں کی الگ۔ اس حرکت کی وجہ پوچھی تو پادری نیکوفورس نے بتایا کہ ہمارے پاس مُردے دفن کرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ایک چھوٹی سی جگہ اس نے دکھائی جس میں چار قبروں کی جگہ تھی۔ پادری نے بتایا کہ جو آرک بشپ اور راہب مرتے ہیں، انہیں یہاں دفن کردیا جاتا ہے اور سات برس گزرنے کے بعد ان کی قبریں کھول کر ہڈیاں نکال لی جاتی ہیں اور ہڈیوں کو اس لائبریری میں سجا دیا جاتا ہے

جبلِ موسیٰ پر دیر کے مشاہدے سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ ۹½ بجے جبلِ موسیٰ کے لیے تین اونٹوں پر روانہ ہوئے۔ تین چوتھائی چڑھائی اونٹوں پر طے کی گئی۔ اونٹوں کے لیے راستہ ایسا بنایا گیا ہے کہ اگر ذرا بھی اسے چوڑا اور درست کرنے کی طرف توجہ دی جائے، تو موٹر میں اس مقام تک پہنچا جا سکتا ہے، جہاں زائر اونٹوں سے اترتا ہے۔

اس کے بعد پھر پیدل سیڑھیوں پر چڑھنا پڑتا ہے، اور یہ بہت سخت تھکا دینے والی چڑھائی ہے۔ سیڑھیاں بے قاعدہ بنی ہوئی ہیں، بلکہ پتھر رکھ کر راستہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ چیز بھی تھوڑی سی توجہ اور صرفہ سے اس حد تک درست کی جا سکتی ہے کہ پہاڑ کی چوٹی پر جانے والے کو اتنی زیادہ زحمت نہ ہو، جتنی اب ہوتی ہے۔ پیدل چڑھائی کے دوران میں ہمیں جگہ جگہ برف پڑی ہوئی ملی، جس کا دَل بعض مقامات پر تین فٹ تک تھا اور کہیں کہیں پگھلتی ہوئی برف کا پانی پہاڑ میں رس رس کر آرہا تھا، اور پھر کرسٹل کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ سخت تھکا دینے والی چڑھائی پر بار بار بیٹھ بیٹھ کر چڑھتے ہوئے ہم ۱۲ بجے کے قریب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے، جہاں ایک چھوٹا سا میدان سا تھا جس میں ایک کنیسہ اور ایک مسجد بنی ہوئی تھی۔ کنیسہ سنگین اور بہت صاف ستھرا بنا ہوا اور خوب سجا ہوا تھا۔ اس کا فرش بھی سنگِ مرمر کا بنا ہوا تھا اور اس کے اندر ایسی صفائی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ پابندی کے ساتھ اس کی جھاڑ پونچھ کی جاتی ہے اور غالباً ہفتہ وار عبادت بھی ہوتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر سخت شرم محسوس ہوئی کہ اس کنیسہ سے متصل مسجد کے نام سے جو حجرہ بنا ہوا ہے۔ وہ انتہائی خستہ حالی میں ہے۔ کوئی فرش اس میں نہیں ہے۔ دروازہ اس کا ٹوٹ گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ برسوں سے کسی نے اس کی دیکھ بھال نہیں کی۔ یہ جمعہ کا روز تھا، ہم نے وہاں قریب کے ایک چشمہ سے پانی لے کر وضو کیا اور ظہر کی نماز ادا کی۔ تقریباً ایک گھنٹہ ٹھہر کر ہم وہاں سے ایک بجے اترنا شروع ہوئے۔ اتار کا راستہ کچھ دُور تک تو وہی تھا، جس سے ہم سیڑھیوں پر چڑھتے تھے، لیکن آگے چل کر ہم دوسرے راستے سے اُترے۔ تقریباً پانچ سو فٹ نیچے اترنے کے بعد ہم اس جگہ پہنچے، جہاں حضرت الیاس سامریہ سے بھاگ کر پناہ گزیں ہوتے تھے۔ مقام الیاس تک کا اتار کوئی زیادہ تکلیف دہ نہ تھا، لیکن اس کے بعد دیر تک اتار بے حد تکلیف دہ تھا۔ اگرچہ لفظ سیڑھی کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے

لیکن دراصل وہ سیڑھیاں نہیں تھیں، بلکہ تھوڑا بہت پتھروں کو مرتب کر دیا گیا ہے۔ سخت تھکا دینے والے آثار سے گزرتے ہوئے ہم لوگ ۳ بجے کے قریب دَیر پہنچے۔ معلوم ہوا کہ ان سیڑھیوں کی تعداد ۳۴۰۰ ہے۔

سامری کا گوسالہ ۲۳ر جنوری کی صبح ہم قاہرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں دیر سے ۱½ کیلومیٹر (ایک میل)، پر ایک چھوٹے سے پہاڑی ٹیلے کے اوپر سیدنا ہارون علیہ السلام کا مقام آیا۔ یہ پہاڑی اس وادی میں واقع ہے جس میں سامری نے گوسالہ بنا کر پیش کیا تھا اور بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ اور یہ مقام سیدنا ہارونؑ غالباً اسی جگہ بنا ہوا ہے، جہاں حضرت موسیٰ نے طور سے واپس آکر حضرت ہارونؑ سے مواخذہ کیا تھا۔

اس کے بعد یعنی دیر سے تقریباً دس کیلومیٹر پر ایک وادی میں حضرت صالح علیہ السلام کا مقبرہ ہے۔ ہر سال یہاں دیہاتیوں کا بہت بڑا مجمع ہوتا ہے، جس میں وہ قربانیاں کرتے ہیں اور سارا میدان بھر جاتا ہے۔ اسی طرح کا مجمع حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر پر بھی ہوتا ہے۔ مقامی روایات یہ ہیں کہ قوم ثمود پر جب عذاب نازل ہوا تو حضرت صالح ہجرت کر کے یہاں آگئے تھے۔

دوبارہ قاہرہ میں شام کو ۶½ بجے قاہرہ واپس پہنچے۔ ۲۴ر جنوری سے پھر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ۵ ۲ر کی شام تک جاری رہا۔ جن حضرات سے ملاقات ہوئی، ان میں سے شیخ ابوزہرہ استاذ مصطفیٰ زرقاؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۲۴ر کی دوپہر کے وقت شیخ ازہر کا مولانا کے نام پیغام آیا کہ مجھ سے ملے بغیر قاہرہ سے نہ جائیں، چنانچہ رات کو ہم ان سے ملنے کے لیے ان کے مکان پر گئے۔ بڑی ہی محبت اور اخلاص سے بار بار مولانا کو دعائیں دیتے اور ان کی اسلام کی راہ میں خدمات کو سراہتے رہے۔ بار بار مولانا کے ساتھ اپنے بیٹھنے پر خوشی اور فخر کا اظہار کرتے رہے۔ ان کی گفتگو اس قدر جذبات سے لبریز تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے آج اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔ فرماتے تھے کہ اگر مولانا کو تکلیف نہ ہوتی، تو میرا دل ساری رات ان کے ساتھ بیٹھے رہنے اور باتیں کرنے کو چاہتا تھا۔ دوسرے تمام مسلمانوں کو تو ان کے شاگردوں نے چائے ڈال کر پلائی، لیکن مولانا کی پیالی میں شیخ نے اپنی بیماری کے باوجود خود

چلئے ڈالی۔

قاہرہ سے واپسی پر شیخ ابوزہرہ، مصطفیٰ زرقا، محمد قطب، محمود محمد شاکر اور بہت سے دوسرے اہل علم حضرات نے اپنی تصنیفات کا ایک ایک سیٹ مولانا کو بطور ہدیہ پیش کیا۔ اب گویا مولانا پاکستان آرہے ہیں تو اپنے ساتھ کتابوں کی ایک پوری لائبریری لا رہے ہیں۔ شیخ حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے سیف الاسلام نے بھی اپنے دادا کی تمام تصنیفات ہدیۃً دی ہیں۔

پھر دمشق میں ۲۵ جنوری کی رات ½ ۱۰ بجے ہم لوگ قاہرہ سے بذریعہ ہوائی جہاز دمشق واپس آئے۔ دو دن وہاں قیام کیا جس میں ملاقاتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ آج ۲۸ کو ہم لوگ کویت پہنچ رہے ہیں یہ خطابیں دمشق اور کویت کے درمیان ہوائی جہاز میں مکمل کر رہا ہوں، اور ان شاء اللہ کویت میں اترتے ہی اسے حوالہ ڈاک کر دوں گا۔

کویت میں ہمارا ارادہ تین چار دن ٹھہرنے کا ہے۔ اس کے بعد مولانا اور چودھری غلام محمد صاحب غالباً ۲ یا ۳ فروری کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچ جائیں گے۔ مولانا کراچی میں بہت کم رکنا چاہتے ہیں، اس لیے خیال ہے کہ وہ ۷ تک لاہور پہنچ جائیں گے۔ میں سامان کی وجہ سے ہوائی جہاز کے بجائے بحری جہاز سے سفر کروں گا اور غالباً ۷، ۸ فروری تک کراچی اور ۹ یا ۱۰ تک لاہور پہنچ جاؤں گا۔ الحمد للہ مولانا کی صحت بالکل ٹھیک ہے اور ہم دونوں میں اور چودھری صاحب بھی بخیریت ہیں۔ تمام احباب اور جاننے والے حضرات سلام قبول فرمائیں اور دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔

مولانا مودودی صاحب سے بی۔ بی۔ سی لندن کے نمائندہ موسیٰ الدجانی کا انٹرویو

مورخہ ۱۲/۱/۶۰

۱۔ سوال: آپ کی اردن میں تشریف آوری کا مقصد کیا ہے۔

جواب: اس سیاحت سے میرا مقصد انبیاء علیہم السلام کے آثار اور ان اقوام کے آثار کو بچشم خود

دیکھنا ہے۔جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ مَیں آج کل قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اس تفسیر کی تیاری کے دوران میں مَیں نے محسوس کیا کہ قرآن مجید کے بہت سے مقامات کو آدمی اس وقت تک اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک ان علاقوں اور مقامات کو دیکھ نہ لے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اسی وجہ سے مَیں نے یہ سفر کیا ہے اور اس سلسلہ میں مکّہ، طائف، بدر، مدینہ، مدائنِ صالح، خیبر، تبوک اور مغائرِ شعیب کو دیکھتا ہوُا آرہا ہوں۔ اور اب اردن و فلسطین کے آثار دیکھنے کے بعد جزیرہ نما سینا جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

۲۔ سوال: ہم پاکستان کی جماعتِ اسلامی کے متعلق اکثر سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں۔ کیا اس کے متعلق آپ ہمیں کچھ معلومات دے سکتے ہیں؟

جواب: جماعتِ اسلامی موجودہ انقلاب کے زمانہ میں پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ یہ جماعت اب سے ۱۹ سال پہلے اس مقصد کے لیے قائم ہوئی تھی کہ اسلام کو ایک مکمّل نظامِ حیات کی حیثیت سے عملاً قائم کیا جائے اور وہ اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ صرف کتابوں کے اوراق پر ہی نہیں بلکہ عملی زندگی کے میدان میں کارفرما ہو۔ اب اسی مقصد کے لیے میں اپنی ذاتی حیثیت سے کام کر رہا ہوں اور امید ہے کہ دوسرے لوگ بھی اسی طرح فرداً فرداً کام کر رہے ہوں گے۔

۳۔ سوال: عربی زبان میں آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ کیا آپ ان کے متعلق ہمیں کچھ بتا سکتے ہیں؟

جواب: عربی زبان میں اب تک میری ۲۰ سے زائد کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں الحجاب، الربا، مبادی الاسلام اور اسس الاقتصاد بین الاسلام والنظم المعاصرۃ حال ہی میں شائع ہوئی ہیں اور آج کل سورۃ نور تحت الطبع ہے

۴۔ سوال: عرب اور دنیا کے دوسرے مسلمانوں کے مسائل میں آپ لوگ کس حد تک دلچسپی رکھتے ہیں، خصوصاً مسئلۂ فلسطین کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے:

جواب: قضایا العرب اور قضایا المسلمین میرے نزدیک الگ الگ نہیں ہیں۔ ہم ان سب کو

تمام عالم اسلامی کے مشترک قضایا سمجھتے ہیں خواہ وہ بلادِ عرب کے قضایا ہوں یا پاکستان کے یا انڈونیشیا کے یا اور کسی ملک کے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق فلسطین کا قضیہ بھی صرف عربوں کا قضیہ نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کا قضیہ ہے۔ اسے محض عربوں کا قضیہ قرار دینا اسے کمزور کرنا ہے۔

۵۔ سوال: آپ کے ہاں پاکستان میں عربی زبان کس رفتار سے پھیل رہی ہے؟

جواب: عربی زبان قرآن اور سنت کی زبان ہے۔ اس لیے ہمارے ملک میں مسلمان اس کی تعلیم پر ہمیشہ بہت زور دیتے رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہزاروں مدارس ایسے موجود ہیں جن میں عربی زبان، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں یونیورسٹیوں اور ہائی سکولوں میں عربی زبان کی تعلیم کا انتظام روز بروز زیادہ وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے۔

چراغِ راہ کا سالنامہ

فروری سنہ ۱۹۶۰ء کے آخر میں آرہا ہے

○

قانون نمبر کے بعد دوسری شاندار پیشکش

* مقالے * مشاہیر اسلام کے غیر مطبوعہ خطوط * نئے افسانے
* تازہ منظومات اور
* مولانا مودودی سے مکہ ریڈیو کا انٹرویو
* مولانا مودودی کا سفر نامہ

صفحات ۱۵۰ ———— قیمت عہ

پتہ: دفتر چراغِ راہ - ۲۳ - اسٹریچن روڈ - کراچی ۱